

## افراد کی غلامی سے قوموں کی غلامی تک

جنیوا سے جاری کی جانے والی اقوام متحدہ کی ایک حالیہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ”انسانوں کی تجارت جدید دور میں غلامی کی ایک شکل ہے اور یہ لعنت دنیا کے ہر علاقے میں موجود ہے۔ محنت و مشقت اور جنسی استحصال کے لیے مردوں، عورتوں اور بچوں کی اسمگلنگ اور ان کی خرید و فروخت مجرموں کے منظم گروہوں کے لیے پیسہ بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے۔ انسانی تجارت کا شکار ہونے والی لڑکیوں کو مکروہ دھندے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ انسانوں کی تجارت جتنی زیادہ عام ہے، اتنی ہی اس کے بارے میں معلومات کم ہیں۔ یہ گھناؤنا کاروبار اس قدر چوری چھپے کیا جاتا ہے کہ کوئی نہیں جانتا کہ کتنے لوگ اس کا شکار ہوتے ہیں، لیکن انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن نے اندازہ لگایا ہے کہ سات لاکھ سے چالیس لاکھ تک انسان ہر سال بین الاقوامی سرحدوں کے آر پار پہنچائے جاتے ہیں۔“

انسانوں کی تجارت قدیم دور سے جاری ہے اور ہر زمانے میں اس کی کوئی نہ کوئی شکل موجود رہی ہے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت بھی یہ سلسلہ وسیع پیمانے پر جاری تھا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے حضرت زید بن حارثہ اسی انسان فروشی کے باعث غلام بنے تھے اور فروخت ہوتے ہوتے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت غلامی تک پہنچے تھے، مگر آپ نے انھیں آزاد کر کے منہ بولا بیٹا بنا لیا۔ حضرت سلمان فارسی بھی اسی بردہ فروشی کا شکار ہوئے اور فروخت ہوتے ہوتے مدینہ منورہ کے ایک یہودی خاندان کی غلامی میں آ گئے۔ آزاد افراد اور انسانوں کو زبردستی پکڑ کر غلام بنا لینے کا یہ رواج اس دور میں عام تھا اور طاقت ور لوگ جہاں موقع ملتا، طاقت کا یہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رسم بد کے خاتمے کا اعلان فرمایا اور حکم صادر کیا کہ آج کے بعد کسی آزاد انسان کو فروخت نہیں کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ آزاد انسان کی خرید و فروخت اور آزاد انسان کو بیچ کر حاصل کی جانے والی کمائی حرام ہے جس پر مسلم دنیا میں آزاد انسانوں کی خرید و فروخت جسے بردہ فروشی کے نام سے پکارا جاتا ہے، ممنوع قرار پائی اور اس کا عملاً خاتمہ ہو گیا، البتہ جنگی قیدیوں کی غلام اور باندی کے طور پر خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا جس کی صورت یہ تھی کہ جنگی قیدیوں کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا کہ انھیں آزاد کر دیا جائے یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو سکیں تو انھیں مستقل قیدی بنا لیا جائے، مگر قیدیوں میں ڈالنے کی بجائے خاندانوں میں تقسیم کر دیا جائے جن کی حیثیت غلام اور باندی کی ہوگی۔

ان کی حیثیت کم و بیش آج کے دور کی اس صورت سے ملتی جلتی ہے جس میں کچھ قیدیوں کو ان کی رہائی سے کچھ

عرصہ پہلے پیروں پر رہا کر کے زمیندار خاندانوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور وہ کچھ عرصہ ان کے ہاں باندھنا انوں کی طرح ان کی خدمت کرتے ہیں، چنانچہ اسلام نے اس طرح بردہ فروشی کا تو مکمل طور پر خاتمہ کر دیا، مگر جنگی قیدیوں کے بارے میں ایک آپشن کے طور پر غلامی کا یہ سلسلہ باقی رہنے دیا اور اس کے لیے ایسے احکام و قوانین وضع کیے کہ ان کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا ہوئے اور ان کے رہن بہن اور ان کے ساتھ سلوک کے ایسے قواعد طے کیے جن سے آزادی اور غلامی کے درمیان فاصلے کم ہوتے چلے گئے۔

غلامی کی یہ محدود سی صورت جو جنگی قیدیوں کے بارے میں حکم کے طور پر نہیں، بلکہ ایک آپشن کے طور پر باقی رہی، مغرب کے نزدیک ہمیشہ قابل اعتراض رہی اور اسلام پر کیے جانے والے بڑے اعتراضات میں یہ بھی ایک اہم ترین موضوع رہا اور لطف کی بات یہ ہے کہ اعتراض اس دور میں بھی شد و مد کے ساتھ وارد ہوتا تھا جب خود مغرب، خصوصاً امریکہ میں آزاد انسانوں کی خرید و فروخت کا دھندا عروج پر تھا اور مولیثیوں کی طرح انسانوں کی بھی منڈیاں لگتی تھیں جن میں افریقہ سے انسانوں کے بحری جہاز بھر کر لائے جاتے تھے اور جانوروں کی طرح ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، حتیٰ کہ امریکہ کی شہرہ آفاق خانہ جنگی جو شمال اور جنوب کی جنگ کے نام سے معروف ہے، اس میں آزاد انسانوں کی اس خرید و فروخت کا مسئلہ بھی وجہ نزاع تھا۔ اس دور میں امریکہ کے جنوب کے دانش وروں کی ایک اچھی خاصی تعداد تھی جو اس غلامی اور انسانی خرید و فروخت کے حق میں دلائل پیش کیا کرتی تھی جبکہ اسلام اس سے ایک ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ قبل آزاد انسانوں کی اس خرید و فروخت کے خاتمے کا اعلان کر چکا تھا۔

مغرب آج اس بات کو فخر کے طور پر پیش کرتا ہے کہ اس نے انسانی حقوق کے نام سے انسانوں کی خرید و فروخت کا خاتمہ کیا ہے اور غلامی کی تمام صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، لیکن اقوام متحدہ کی رپورٹ یہ بتاتی ہے کہ اسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی اور شکل بدل کر، بلکہ کیو فلاج ہو کر انسانوں کی خرید و فروخت کا یہ مکروہ دھندا اب بھی جاری ہے۔ ہمارے نزدیک اس کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اخلاقیات و وجدانیات اور روحانیات سے عاری مادہ پرستانہ فلسفہ حیات میں اس قسم کے جرائم کا خاتمہ ممکن ہی نہیں ہے اور مغرب کو زندگی کے ہر شعبے میں اس کا مسلسل سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری وجہ مغرب کا دوہرا معیار ہے کہ اس نے اپنے لیے الگ معیار رکھا ہے اور مشرقی اقوام اور مسلم ممالک کے لیے اس کا معیار الگ ہے۔ اسی طرح وہ افراد کی آزادی اور حقوق کی دہائی تو دیتا ہے، مگر قوموں کی آزادی اور حقوق کو خود مسلسل پامال کیے جا رہا ہے جس پر مجرموں کے یہ منظم گروہ سوچتے ہیں کہ اگر قوموں کو غلام بنا کر بیچا جاسکتا ہے تو افراد کو غلام بنانے میں آخر کیا حرج ہے؟

## سیلاب کی تباہ کاریاں اور ہماری دینی و قومی ذمہ داری

سیلاب کی شدت اور تباہ کاریوں کے بارے میں اس کے بعد مزید کچھ جاننے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ اسے گزشتہ ایک صدی کے دوران آنے والا سب سے بڑا اور تباہ کن سیلاب بتایا جاتا ہے اور اقوام متحدہ کے ذرائع کا کہنا ہے کہ سونامی سے ہونے والی تباہ کاری سے اس سیلاب کی تباہ کاریوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہے۔ سیلاب کے اسباب میں

اس بات پر تو کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان قدرتی آفات میں سے ہے جنہیں روکنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا، البتہ اس کے نقصانات کو کم سے کم تک محدود کرنے کے لیے تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں اور بہت سے دوستوں کا خیال ہے کہ پاکستان میں ان نقصانات کو کم کرنے کے لیے جو تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں تھیں یا اختیار کی جاسکتی تھیں، وہ بروقت اختیار نہیں کی گئیں۔ لیکن اسباب سے آگے مسبب الاسباب کی طرف کم لوگوں کی توجہ جارہی ہے جو ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ چند سال قبل آزاد کشمیر میں خوفناک زلزلہ کے موقع پر میں نے بعض زلزلہ زدہ علاقوں میں حاضری دی تو آزاد کشمیر کے سابق صدر سردار محمد عبدالقیوم خان کے پاس بھی تعزیت کے لیے گیا۔ انہوں نے پریم آنکھوں کے ساتھ زلزلہ سے پیدا ہونے والی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس بات کا زیادہ دکھ اور غم ہے کہ خوف ناک زلزلے اور اس کے نتیجے میں اتنی بڑی تباہی کے باوجود عمومی سطح پر اپنے گناہوں سے استغفار اور رجوع الی اللہ کی کوئی فضا دیکھنے میں نہیں آ رہی اور اس ماحول میں بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے بے پروائی، تعیش اور چھینا چھٹی کا دور دورہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب بھی صورت حال اسی طرح کی ہے جو اہل نظر اور ارباب بصیرت کی خصوصی توجہ کی طلب گار ہے۔

بہر حال سیلاب زدہ بھائیوں کی ہر طرح سے مدد کرنا ہمارا دینی اور قومی فریضہ ہے۔ ان کی بحالی اور دوبارہ آباد کاری کے منصوبوں میں تعاون کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور مجھے مولانا مفتی نیب الرحمن، مولانا مفتی ولی خان المظفر اور دیگر علمائے کرام کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ نفلی حج اور عمرہ سے سیلاب زدگان کی امداد مقدم ہے اور اس کا اجرا ثواب زیادہ ہے۔ ہمیں اپنی ترجیحات میں ایک عرصہ تک سیلاب زدہ بھائیوں کی آباد کاری اور بحالی کے کاموں کو اولیت دینا ہوگی، مگر اس کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے کہیں زیادہ یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی قومی کوتاہیوں، اجتماعی گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اسباب کے حوالے سے اپنے انفرادی اور اجتماعی معاملات پر نظر ثانی کریں، توبہ و استغفار کا اہتمام کریں، قرآن و سنت کی طرف واپسی کا راستہ اختیار کریں اور انابت الی اللہ کا عمومی ماحول پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

سیلاب زدگان کی امداد کے لیے مختلف محکموں، اداروں اور این جی او کی سرگرمیوں کے حوالے سے ایک اور سوال بھی زیر بحث ہے کہ متاثرہ علاقوں میں عملاً امدادی کام کرنے والے گروپوں میں وہ گروپ زیادہ سرگرم دکھائی دے رہے ہیں جنہیں انتہا پسند کہا جاتا ہے اور کسی بھی حوالے سے ان کی معاشرتی سرگرمیوں کو عالمی سطح پر پسند نہیں کیا جاتا۔ ہزارہ اور کشمیر کے زلزلے کے موقع پر بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ جو لوگ مذہبی جذبے سے کام کریں گے اور دنیا سے کسی ستائش کی طلب کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقصد قرار دیں گے، ان کا کام بے لوث بھی ہوگا اور عملی طور پر زیادہ اور موثر بھی ہوگا۔ پاکستان میں امریکہ کی سفیر محترم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے اور کہا ہے کہ انتہا پسند گروپوں کی امدادی سرگرمیوں پر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے، البتہ اس بات پر تشویش ہے کہ انہیں نمایاں زیادہ کیا جا رہا ہے۔ گویا صاحب بہادر کی خواہش یہ ہے کہ انتہا پسند گروپ کام تو کریں، خرچ بھی کریں، وقت بھی صرف کریں اور شب و روز محنت بھی کریں مگر ان کا میڈیا پر تذکرہ نہ ہو اور انہیں نمایاں نہ کیا جائے۔ خدا جانے اعتراض اور کسے کہتے ہیں؟